جناب مولانا سمیع الحق مدیر الحق
ضبط: عبدالقیوم حقانی

انسانی مجد و شرف کا حقیقی معیار

— اور —

اسلام کی حقیقت شناسی

(خطاب جمعہ ۵ دسمبر مسجد دارالعلوم)

بعد الخطبہ!

میں نے گذشتہ جمعہ عرض کیا تھا کہ اسلام کی نظر میں اصل چیز قلب اور اعمال کی اصلاح ہے۔ اسلام نہ تو ظاہری شکل و صورت کو دیکھتا ہے اور نہ ہی انسانیت کا معیار شرافت، ظاہری مال و دولت، شان و شوکت، ہیں، یہ سب فانی اور زوال پذیر اشیا ہیں۔ اسلام انسان میں بنیادی تبدیلی لانا اور انسان کے اندر کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اس لئے اس کی نظر معنوی چیزوں پر ہوتی ہے۔ اسلام سب سے پہلے انسان کے قلب میں انقلاب لانا چاہتا ہے جب دل بدلا دل میں انقلاب آیا تو باہر کی تمام چیزیں بدل جائیں گی۔ اگر دل نہیں بدلا تو باہر کی تمام چیزیں تباہی اور ہلاکت اور انجام جہنم کا ذریعہ ہیں۔ اسلام ہمیں تعلیم دیتا ہے کہ مادہ پرست قوموں کی طرح ظاہری اشیاء اور مادیت کو مطمح نظر نہ بناؤ۔ ان کو خیال میں نہ لاؤ، دل بدلو، دل میں انقلاب لاؤ تو یہ ساری چیزیں تمہارے قدموں میں ہوں گی۔ مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں مسلمانوں کو یہی حقیقت بڑے پیارے انداز سے سمجھائی ہے۔ فرماتے ہیں چینیوں اور رومیوں کا صنعت و کاریگری میں زبردست مقابلہ تھا۔ ہر قوم خود کو دوسرے سے باکمال سمجھتی تھی دونوں قومیں ہمیشہ اسی مسابقت میں رہتیں۔ بادشاہ کو دونوں کا تنازع پیش کیا گیا۔ صنعت و کاریگری میں کمال کے دعوے کئے گئے۔ بادشاہ نے دونوں قوموں کے ماہرین کو ایک بڑے ہال میں بھیج دیا اور ہال کے وسط میں دیوار کھڑی کر دی۔ کہ ایک جانب رومی اپنے کمالات کا مظاہرہ کریں اور دوسری جانب چینی اپنی صنعت و کمال اور کاریگری کے کمالات دکھائیں۔ چینیوں نے اپنے جانب میں کاریگری، فن کاری اور مصوری اور نقش و نگار کا کام شروع کر دیا۔ دیوار کو مزین کیا اور عجیب و غریب نقش و نگار سے اس کو آراستہ کیا۔ چھ ماہ تک چینیوں کی یہ محنت جاری رہی۔ دوسری جانب رومی اپنی محنت میں لگے رہے۔ انہوں نے اپنی جانب کی دیوار پر پلستر چڑھایا اور

اس کو مختلف اشیاء سے مانجھنے اور رگڑنے سے خوب چمکایا، اور صیقل کیا۔ وہ شفاف اور صاف دیوار بن گئی۔ رومیوں نے چھ ماہ میں صرف یہی کام کیا اور بس۔

جب وقت مقررہ آیا تو بادشاہ نے محل کی درمیان والی دیوار ہٹا دی۔ ایک طرف تو چینیوں کے حسین مناظر اور دلفریب نقش و نگار تھے اور دوسری جانب رومیوں کی صیقل کردہ شفاف دیوار جو آئینہ سے زیادہ شفاف تھی۔ جب وسط کا پردہ ہٹا تو چینیوں کے تمام مناظر و کمالات اور حسین نقش و نگار۔ رومیوں کی شفاف دیوار میں منتقل ہو گئے۔ اور صیقل شدہ دیوار میں اور بھی چمک اٹھے۔ گویا رومیوں نے چینیوں کی تمام محنت کو اپنی طرف منتقل کر لیا۔ بادشاہ نے یہ دیکھا تو انعام رومیوں کو دیا کہ انہوں نے غیروں کے کمالات کو اپنے ہاں منعکس کر لیا۔ کہ اصل کمال یہی ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی مثال بھی باکمال رومی کاریگروں کی طرح ہونی چاہئے۔ کہ وہ خود کو دیوار کی طرح صیقل کر دیں۔ قلب صیقل ہو جائے تو اس میں روحانیت، کمالات خود بخود منتقل ہوں گے۔ راحت و آرام کا ذریعہ ہوں گے۔ اور قلب اپنی جگہ صحیح و سالم بھی رہے گا تو اسلام مسلمان کے دل کو رومیوں کی دیوار کی طرح جاذب اور صاف بنانا چاہتا ہے ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو چمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ، در دل کشا بہ چمن درآ

فرماتے ہیں کہ اے مسلمانو! تم خود ایک بڑا گلستان ہو۔ اور دل کا دروازہ کھول دو اندر ایک بہت بڑا گلشن ہے۔ جس میں جنتیں ہی جنتیں ہیں۔ مادہ پرست لوگوں نے اپنے قلوب میں جہنم کو جمع کر دیا ہے اور مسلمان کو حکم ہے کہ تم اپنے قلوب میں جنتیں سمیٹ لو۔ اس دنیا میں بھی ایک جنت ہے اور وہ سکون و عافیت کی جنت ہے وہ قناعت و زہد، تقویٰ و طہارت کی جنت ہے۔ وہ اعمال صالحہ کی جنت ہے۔ ایثار و قربانی، اللہ کی محبت اور دنیا کی بے ثباتی کے یقین کی جنت ہے آج یورپ کے لوگ بظاہر جنتوں میں رہ رہے ہیں۔ مگر ان کے قلوب میں دوزخ کی آگ ہے۔ بے چین ہیں مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔ گویا مومن کے دل کو اللہ جنت بنا دیتے ہیں۔ اور وہ ایک باغیچہ بن جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔ ولمن خاف مقام ربہ جنتان اس کا ایک معنیٰ تو یہ ہے کہ آخرت میں اللہ پاک اہل ایمان کو ہر چیز دوگنی اور ہر نعمت ڈبل ڈبل عطا فرمائیں گے۔ مگر اس کا ایک معنیٰ علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی کیا ہے کہ جنتیں دو ہیں۔ ایک دنیا میں ہے اور ایک آخرت میں۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

ان فی الدنیا جنۃ من لم یدخلہا لم یدخل جنۃ الاخرۃ	دنیا میں بھی ایک جنت ہے جو دنیا کی جنت میں داخل نہ ہو سکے اسے آخرت کی جنت میں

جگہ نہیں ملے گی۔

اس دنیا کی جنت کا نقشہ باری تعالیٰ نے اس طرح کھینچا ہے :-

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ۰ نحن اولیاء کم فی الحیاۃ الدنیا و فی الاٰخرہ ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدعون نزلاً من غفور رحیم۔

جن لوگوں نے دل سے اقرار کر دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مستقیم رہے ان پر فرشتے اتریں گے کہ تم نہ اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو اور تم جنت کے ملنے پر خوش رہو جس کا تم سے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کیا جایا کرتا تھا۔ اور ہم تمہارے رفیق تھے۔ دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور تمہارے لئے اس جنت میں جس چیز کو تمہارا جی چاہے گا موجود ہے۔ نیز تمہارے لئے اس میں جو مانگو گے موجود ہے یہ بطور مہمانی کے ہوگا غفور رحیم کی طرف سے۔

یعنی جس نے مادی چیزوں سے دل کے دروازے بند کر دیئے اور عرش کی طرف دل کا دروازہ کھول دیا تو وہ مستقیم ہو گیا اسے پھر اللہ پاک دنیا میں عظیم مقام سے نوازتے ہیں۔ ان لا تخافوا ولا تحزنوا، خوف اور حزن یہ بہت زیادہ تکلیف دہ چیزیں ہیں۔ مسلمانوں کو بشارت ہے کہ تمہیں دنیا میں نزع کی حالت میں، برزخ میں، محاسبہ کے وقت اور آخرت میں کوئی خوف اور حزن نہ ہوگا۔

خوف کا معنیٰ یہی ہے کہ نعمتیں جو اللہ نے دی ہیں اور اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ہے مگر ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کوئی چرا لے گا۔ چھین لے گا ختم ہو جائیں گے۔ کروڑپتی لوگ ہمیشہ اسی غم میں مبتلا رہتے ہیں۔ محاسبہ کا۔ ٹیکسوں کا خوف۔ چھاپہ لگنے کا خوف۔ ہلاکت کا خوف۔ کارخانوں پر سرکاری قبضوں کا خوف۔ ڈاکے کا خوف، نرخوں کے گرنے کا خوف رہتا ہے۔ دنیا دار اسی میں مبتلا رہتے ہیں۔

اور حزن یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت دی ہے اور وہ زائل ہو گئی اب اس کے زائل ہونے کے بعد پریشانی و اضطراب اور بے چینی لگ گئی ہے۔ زوالِ نعمت کے بعد انسان پر جو حالت آتی ہے حزن کہلاتی ہے۔ اور نعمت موجود ہے مگر زائل ہونے کا کھٹکا ہے یہ خوف ہے آج اہلِ دنیا ان ہی دو چیزوں میں مبتلا ہیں۔ روس، امریکہ، بڑی طاقتیں، سب کچھ ہے طاقت اور حکومت ہے مگر پھر بھی باہم برسرِ پیکار ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کو ایک دوسرے سے خطرہ ہے

کہ حکومتیں چھین نہ لی جائیں اپنے اقتدار و حکومت کے تحفظ کے لئے ہر ایک دوسرے پر حملہ آور ہے۔

خوف اور حزن دونوں عظیم مصیبتیں ہیں۔ جو دنیا میں انسان کو مفلوج کر کے رکھ دیتی ہیں مگر جن لوگوں کو اللہ نے ان دونوں ابتلاؤں سے محفوظ رکھا ہے۔ وہ بڑے مزے میں ہیں مال چلا گیا تو چلا جائے کہ اللہ نے دیا تھا اسے لے لیا۔ بیٹا فوت ہو گیا تو اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی۔ اور اسی طرح حزن نہیں ہے کہ صحت چلی گئی حزن نہیں، اللہ کی تقدیر پر راضی ہے تو جن لوگوں کو عدم خوف اور عدم حزن کی بشارت مل جائے ان لا تخافوا ولا تحزنوا کا اعزاز مل جائے وہ دنیا میں بھی جنت میں ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے۔

کنتم توعدون ۔ جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔

نحن اولیاؤکم ۔ مستقل بشارت ہے۔

ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم مستقل بشارت ہے۔

ولکم فیھا ما تدعون ۔ یہ بھی مستقل بشارت ہے۔

ان لا تخافوا ولا تحزنوا ۔ یہ بھی مستقل بشارت ہے۔ گویا جو شاعر نے کہا تھا ؎

جنت آں جا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

جنت وہی ہے جس میں دل کی تکلیف نہ ہو روح پریشان نہ ہو ہمارے اکابر اور اسلاف امت کو دل کی جنتیں حاصل تھیں۔ مصائب آئے تکالیف آئیں وہ سب خندہ جبینی سے برداشت کرتے رہے۔ بیماریاں آئیں، وہ کسی قسم کا جزع فزع رونا دھونا اور پریشانی و بے اطمینانی کا اظہار نہ کرتے۔ ہر حال میں شاکر رہتے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ اللہ نے انہیں بڑی عمر دی تھی۔ بصرہ میں قیام تھا دین کا سرچشمہ تھے۔ حضرت عمران رض قضاء کے منصب پر فائز تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ابتلاء و آزمائش کی بشارت بھی دی تھی۔ اور ترمذی شریف میں یہ حدیث جگہ جگہ منقول ہے نھی عن الکی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے سے داغنے سے معالجہ کو منع فرمایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا کہ مومن اور اہل ایمان بندے لوہے سے داغنے کے طریقہ علاج کو اپنائیں۔ آپ کی اس سے غرض یہ تھی کہ مسلمان خدا کی ذات پر بھروسہ کریں تو حضرت عمران رض رویا کرتے تھے کہ ہمیں حضور نے اس طریقہ سے منع فرمایا تھا مگر اس کے باوجود اس کو اختیار کیا گیا تو اس سے کوئی فرق نہ ہوا صحت نصیب نہ ہوئی تو ہم تکلیف میں مبتلا کر دیئے گئے۔

بہر حال حضرت عمران جیسے عظیم اور جلیل القدر صحابی کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں فرشتے ان سے مصافحہ کرتے تھے۔ ان کا مقام بھی ایسا تھا کہ صابر اور شاکر رہتے تھے بڑے بڑے تکالیف اور شدائد پر ان کا قلب

متاثر نہ ہوا۔ وہی حضرت عمران بیمار ہوئے۔ بواسیر کی بیماری ہوئی فبقی علی سریرہ ثلثین سنۃ صابراً شاکراً حامداً علماء لکھتے ہیں تیس سال تک چارپائی پر پڑے رہے۔ چارپائی پھاڑ دی گئی تھی خون رستا تھا تیس سال ایسی حالت و آزمائش میں گذارے مگر حامد و شاکر اور صابر رہے بڑے بڑے تلامذہ، تابعین کے ان کے عجیب و غریب اور ایمان افروز حالات لکھے ہیں۔ ایک شاگرد کافی دنوں بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا ملاقات کے لئے، حضرت عمران رضؓ بہت ناراض ہوئے اور کہا تم نے مجھے بھلا دیا، شاگرد رو پا اور عرض کیا حضرت! آپ مجھ سے کبھی بھولے نہیں ہر گھڑی مجھے یاد رہتے ہیں۔ مگر آپ کی یہ حالت، یہ بیماری اور شدت علالت دیکھنے کی تاب نہیں۔ برداشت نہیں، حضرت عمرانؓ ان کی اس بات پر مزید ناراض ہوئے اور فرمایا۔

دیکھو! میں نے تو اس علالت اور بیماری کو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور تحفہ قرار دیا ہے۔ اسے خدا کا انعام سمجھتا ہوں انسان کے ساتھ جب اس کا محبوب ہوا اور وہ وصال محبوب کی کیف و مستی میں مستغرق ہو تو اس کو تکلیف یا رنج و الم کا خیال نہیں ہوتا۔ تو میرے لئے بھی یہ تکلیف اور بیماری یہ علالت اور مصیبت ابتلاء اسے میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ محبوب چیز سمجھ رہا ہوں۔ معبود برحق اور محبوب حقیقی کا تحفہ ہے۔ اگر یہ تکلیف چند لمحے مجھ سے جدا ہو جائے تو مجھے اس پر کوفت ملال ہوتا ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ حضرت عمرانؓ کا سارا بدن کمزور اور لاغر ہو گیا تھا۔ ۳۰ سال سے طویل مرض اور خونی بواسیر کا مرض تھا۔ مگر اس کے باوجود ان کا چہرہ سرخ و سفید تر و تازہ اور ایسا شاداب تھا اور اس میں ایسی رعنائی تھی کہ لوگ یہ محسوس نہ کر سکتے کہ وہ واقعۃً بیمار بھی ہیں دل خوش ہو تو چہرہ پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ انہوں نے دل کو اللہ کی محبت و اطاعت سے منور کر لیا تھا۔ اسی طرح تاریخ میں ایک دوسرا واقعہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیرؓ کا منقول ہوتا چلا آیا ہے۔ حضرت عروہ مدینہ منورہ کے قراء سبعہ میں سے ایک ہیں۔ آج کی اصطلاح کا قاری مراد نہیں بلکہ اس زمانہ میں جید علماء اور اساطین علم کو قراء کہا جاتا تھا۔

حضرت عروہ کے دو بھائی اور بھی ہیں۔ عبداللہ ابن زبیرؓ جو عظیم اور جلیل القدر صحابی ہیں خانہ کعبہ کے محاصرہ میں شہید ہوئے۔ حضرت اسماءؓ کے بیٹے ہیں۔ اور مصعب بن زبیرؓ ہیں۔ تینوں بھائی ایک مرتبہ حرم شریف میں بیٹھے تھے تینوں نے اپنے اپنے مستقبل کی دعائیں مانگیں۔ عبداللہ ابن زبیرؓ نے دوسری دعاؤں کے ساتھ یہ دعا بھی کی کہ اللہ پاک مجھے حجاز کی حکومت عطا فرما دیں۔ حضرت مصعب بن زبیرؓ نے دعا کی کہ مجھے عراق اور شام کی حکومت مل جائے۔ عروہ بن زبیرؓ نے دعا کی کہ اللہ مجھے دین اسلام کا خادم بنا دے۔ اور علوم حدیث کی نشر و اشاعت میں میری زندگی گزرے۔ اور خدا مجھے اتنی فراخی دے کہ طلبہ پر خرچ کرتا رہوں۔ تاریخ نے تینوں کی دعائیں اور نتائج محفوظ کر لئے ہیں۔ چنانچہ دعائیں قبول ہوئیں۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس حجاز کی حکومت آئی اور اسلامی

تاریخ میں ان کی شخصیت کو اہم مقام ملا۔

حضرت مصعب بن زبیر کو عراق کی حکومت ملی۔ اور عروہ بن زبیر کو اللہ نے مدینہ منورہ میں علوم نبوت کا جید عالم اور مرجع طلبہ بنا دیا۔ ان کا ایک بہت بڑا باغ تھا جب فصل تیار ہو جاتی تو اعلان کر دیتے کہ طلبہ اور فقراء آئیں اور سارا اپنا حصہ لے جائیں۔ شب و روز علم حدیث اور اسلامی علوم کی ترویج اور اشاعت اور خدمت میں مصروف رہتے۔

یہی حضرت عروہ بن زبیرؓ بنی امیہ کے زمانے میں بیمار ہوئے ان کی شخصیت عظیم شخصیت تھی۔ مدینہ منورہ کے امام تھے، بنی امیہ کے بادشاہ اور اسی طرح بنی عباس کے بادشاہ عمومی طور پر اہل علم کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے ان کا احساس تھا کہ علماء کی قدر و منزلت کی جائے۔

بڑے بڑے ڈاکٹر حضرت عروہ کے علاج پر مقرر ہوئے۔ اور یہ ولید بن عبدالملک کا زمانہ تھا۔ جو بنی امیہ کا حکمران تھا۔ ڈاکٹروں نے کوششیں کیں۔ مگر ناسور بڑھ رہا تھا۔ اور کوئی طریقہ اس کے معالجہ کا کارگر ثابت نہیں ہو رہا تھا آخر ڈاکٹروں نے پاؤں کے کاٹنے کا فیصلہ کر لیا۔ دمشق اس زمانے میں بنی امیہ کا دارالخلافہ تھا۔ اور قصر الخضراء جس میں بادشاہ رہا کرتے تھے۔ جیسے آج کل وائٹ ہاؤس (قصر البیضا) وغیرہ کی اصطلاح ہے۔

حضرت عروہ بن زبیر اسی محل میں لائے گئے۔ مشہور ڈاکٹر اور ماہر اطباء جمع تھے۔ آپریشن کا فیصلہ کیا گیا اس زمانہ میں معالجات کی موجودہ ترقیاں کب تھیں۔ نشہ وغیرہ موجودہ ترقی یافتہ شکل میں نہیں تھا۔ لوہے کو آگ پر گرم کر کے جسم پر رکھتے گوشت کاٹتے۔ مریض یہ سارا منظر آنکھوں سے دیکھتا۔ ہڈیاں کاٹتے مگر عمل سے قبل وہ مریض کو بے ہوش کرتے جب حضرت عروہ کے پاس بے ہوش کرنے کا سامان لایا گیا تو آپ نے شدت سے انکار کر دیا۔ ادھر ولید انتہائی بے چین تھا اور اپنے کمرے میں مضطربانہ چکر لگا رہا تھا کہ خدا جانے کیا ہوگا، اور کیا گزرے گی حضرت عروہ نے فرمایا مجھے اپنے حال پر چھوڑ دو بے ہوش کئے بغیر آپریشن کا عمل شروع کر دو۔

تو ڈاکٹروں نے انہیں بے ہوش کئے بغیر آپریشن شروع کر دیا۔ ڈاکٹر اور اطباء حیران تھے کہ اس قدر شدت تکلیف اور عمل آپریشن کے باوجود حضرت عروہ صبر و تحمل اور اُف کئے بغیر سارا منظر آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور صبر کئے آرام سے پڑے ہیں۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ان کا آپریشن جاری رہا اور بیداری اور ہوش کی حالت میں ان کا پاؤں کاٹ دیا گیا۔

لوگوں نے پوچھا اس قدر شدید تکلیف میں آپ کیسے صبر کئے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا میں نے اپنا قلب اپنے اللہ کی طرف متوجہ کر لیا اور میرا یقین تھا کہ یہ تکلیف و مصیبت، یہ پریشانی اور غم یہ درد و الم اللہ کا دیا ہوا ہے۔ میں اس احساس میں اس قدر مست ہو گیا کہ مصیبت کی طرف توجہ ہی نہ رہی۔ یہ ہے دین اسلام کی

تعلیم، کہ انسان جب نعمت و مصیبت کے فلسفہ کو سمجھ لیتا ہے تو اس کو درد و الم اور ہر غم اور ہم میں اپنے خالق کا اور اپنے اللہ کا دھیان رہتا ہے۔ حضرت عروہؓ کا پاؤں کاٹا گیا مگر ان کے قلب کو کوئی زحمت نہ ہوئی۔ اور یہ تکلیف وغیرہ تو قلب کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جب پاؤں کٹ گیا تو انہوں نے ڈاکٹروں سے کہا کہ یہ پاؤں مجھے دے دو، اپنا پاؤں ہاتھوں میں لے کر کہنے لگے۔ اے پاؤں تو گواہ رہ، کہ عروہ نے تجھے کبھی گناہ میں استعمال نہیں کیا۔ تو قیامت کے روز یہ گواہی دے گا کہ عروہ نے مجھے گناہ کے لئے نہیں اٹھایا۔ ایسی حالت میں ایک اعرابی آیا جو شور کر رہا تھا، چیخ رہا تھا اس کا ایک ہی مطالبہ تھا۔ کہ مجھے امیر المومنین کے پاس پہنچا دو۔ بادشاہ نے سنا تو فرمایا۔ اسے آنے دو، بات کیا ہے؟

جب بادشاہ کے پاس لایا گیا تو وہ رو رہا تھا۔ اندھا اور بہرہ تھا آنکھیں باہر نکل چکی تھیں۔ کہا، جی میں فلاں جگہ سے آرہا تھا۔ راستہ میں صحرا آیا جہاں پڑاؤ ڈالا۔ میرے ساتھ اہل خانہ اور بچے تھے مال مویشی تھا کچھ زندگی کے اسباب تھے مگر کچھ درندوں نے تباہ کر دیا اور کچھ ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ درندوں نے میرے بچے ہلاک کر دیئے میں لٹ گیا۔ میں ایسی حالت میں حاضر ہوا ہوں اور فریاد کر رہا ہوں۔

ولید نے کہا کہ اس مظلوم کو حضرت عروہ کے پاس لے چلو، تاکہ اسے اپنی نعمت کی اور زیادہ قدر ہو جائے۔ کہ اعرابی کی حالت دیکھ کر اسے منعم حقیقی کے انعامات و اکرام کا مزید احساس اور جذبہ تشکر و سپاس پیدا ہو جائے گا

حکیم الامت حضرت تھانویؒ جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے خلیفہ ہیں، نے ایک مجلس میں ارشاد فرمایا کہ ہم مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ کی مجلس میں، وہ نعمتوں اور مصیبتوں کے فلسفہ پر بحث فرما رہے تھے۔ کہ نعمتیں بھی اللہ کی طرف سے نعمت ہوتی ہیں۔ اور مصیبتیں بھی اللہ کی طرف سے نعمت ہوتی ہیں۔ عجیب و غریب، بحث کر رہے تھے کہ تکلیف و مصیبت پر رونا دھونا نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اللہ کی مرضی پر راضی رہنا چاہئے۔ اسی دوران مجلس میں ایک صاحب حاضر ہوئے جو رو رہے تھے اور پریشان تھے کراہ رہے تھے ان کے جسم پہ ایک پھوڑا نکلا تھا جس کے درد سے وہ بے چین تھے۔ کہہ رہے تھے کہ حضرت مصیبت ہے، درد و الم ہے۔ میرے تحمل سے باہر ہے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم بھی اسی مجلس میں بیٹھے تھے اور دل میں وسوسہ آیا کہ حضرت حاجی صاحب ابھی یہ تقریر فرما رہے تھے کہ مصیبت بھی ایک نعمت ہے جو اللہ کی طرف سے ہے ادھر یہ آدمی رو رہا ہے کہ میں مصیبت سے اور درد و الم سے ہلاک ہو رہا ہوں، تکلیف میں ہوں۔ حاجی صاحب اسے کیسے نعمت قرار دیتے ہیں۔ یہ وسوسہ ہمارے دل میں آیا تو حضرت حاجی صاحب نے فوراً وہی مضمون شروع کر دیا اور فرمایا اس مریض کے لئے دعا کر دیجئے؛ اور دعا کرنے لگے کہ بار الٰہ، یہ تکلیف بھی آپ کی طرف سے نعمت ہے عظیم نعمت ہے۔ یہ پھوڑا اور یہ درد و غم بھی نعمت ہے۔ اس کی ٹیس بھی نعمت ہے۔ مگر اے اللہ! یہ شخص کمزور ہے متحمل نہیں اس نعمت کا۔ اللہ! اس نعمت کو عافیت کی

کی نعمت سے بدل دے۔ بعض اوقات جب صحت نہ ہو تحمل نہ ہو تو دنیوی نعمتیں بھی کڑوی لگتی ہیں۔ چینی بھی کڑوی لگتی ہے۔

یہ مصیبت بھی نعمت ہے مگر ظرف پر ہے کہ تم اس کو برداشت بھی کر سکتے ہو یا نہیں۔ تو حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنی دعاہیں ہمارے سارے وسوسے دور کر دئے۔ بہر حال اسلام اولاً قلب کا علاج کرتا ہے جب قلب اور روح درست ہو جائیں تو سارا جسم درست رہے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

الا ان فی الجسد لمضغة اذا فسدت فسد الجسد کله واذا صلحت صلح الجسد کله

جسم میں ایک ایسا ٹکڑا ہے اگر وہ درست رہا تو سارا جسم درست رہے گا اور اگر وہ خراب ہوا تو سارا جسم خراب رہے گا۔

جب دل درست ہے تو ہاتھ پاؤں کٹ جانے سے انسان پھر بھی باقی رہے گا۔ اور انسان کہلائے گا۔ مگر ؎

مجھے یہ ڈر ہے دلِ زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

مطلب یہ ہے کہ اگر دل مرجائے تو زندگی نہیں۔

جسم میں فاسد مادہ ہے۔ جہاں سے پیپ بنتی اور سارے جسم میں پھیلتی ہے۔ ڈاکٹر کا کام ہے کہ اسی فاسد مادہ کا علاج کرے اگر آپ مریض ہیں اور آپ کسی عطائی دکاندار کے پاس چلے گئے۔ اور وہ اصل فاسد مادہ کا علاج نہ کرے اور نہ ظاہری زخم پہ مرہم رکھ دے، اس سے ظاہر زخم تو دب جاتا ہے مگر فاسد مادے کا ازالہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ اندر ہی اندر بڑھتا رہتا ہے۔ اور پھر کسی وقت شدت سے سارے وجود کی ہلاکت کا باعث بن جاتا ہے۔ اور اگر ایک ماہر ڈاکٹر اور حکیم حاذق سے علاج کرایا جائے تو وہ اولاً مرض کی تشخیص اور تحقیق کرے گا اور جڑ تک اور اصل تک رسائی حاصل کرے گا کہ یہ فاسد مادہ کہاں سے پیدا ہو رہا ہے جب مادۂ فاسدہ کا اندر سے علاج ہو جائے تو باہر کے زخم خود بخود درست ہو جائیں گے۔ جس طرح انفرادی جسم پر پھوڑے نکلتے ہیں اسی طرح ہمارا ایک اجتماعی اور ملی جسم ہے مسلمان معاشرہ سارا ایک جسم ہے اس معاشرہ میں بھی کبھی کبھار فاسد مادہ اپنا اثر دکھاتا اور پھوڑے اٹھواتا ہے کبھی قاتل کی شکل میں، کبھی ڈاکو کی شکل میں، کبھی دروغ گوئی کی شکل میں۔ کبھی زانی کی شکل میں کبھی قومی مجرم کی شکل میں یہ سب اجتماعی قسم کے زہریلے اور خطرناک پھوڑے ہیں۔ یہ سب اعمال جرائم ڈکیتیاں، دنیا پرستی، قتل و اغواء، خواہشات اجتماعی جسم کے پھوڑے ہیں۔

ہر دور میں اہلِ دنیا اجتماعی جسم کی اصلاح پہ کوشش کر رہے ہیں۔ دنیا کے حکماء اس کا معالجہ کر رہے تھے

مگر سب عطائی تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ معاشرہ میں جو بغاوت اور سرکشی انسان میں آئی ہے اس کا علاج طبقاتی تفاوت کا خاتمہ ہے۔

ایک شخص بہت زیادہ مالدار ہے مگر دوسرا غریب ترین شخص ہے جو غربت میں پس رہا ہے وہ جرائم و بدامنی اور بداخلاقی پر مجبور ہوتا ہے۔ مگر یہ علاج درست ثابت نہیں ہوا کیونکہ صرف غربت کی وجہ سے انسان ظالم اور ڈاکو نہیں بنتا، مجرم نہیں بنتا۔ اس لئے کہ مالدار، غرباء سے بڑھ کر جرائم پیشہ ہے۔ غریب ایک بار کسی جرم و گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ تو مالدار دس چند اس کا مرتکب بنتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سپاہی کی تنخواہ تھوڑی ہے اس لئے وہ رشوت پر مجبور ہوتا ہے لہذا سپاہیوں کی تنخواہ بڑھا دی جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ سپاہی اگر دس روپے کی رشوت لیتا ہے تو تھانیدار سو روپے کی رشوت لیتا ہے۔ ڈی ایس پی کا ریٹ ہزار روپیہ ہے۔ ایس پی کا ریٹ دس ہزار روپیہ ہے اور جوان سے بڑے آفیسر ہیں۔ ان کا ریٹ ان سے بڑھ کر ہے۔

معلوم ہوا کہ عہدہ اور منصب کا تفاوت بھی ان جرائم کی وجہ نہیں اگر چھوٹا افسر ظالم ہے تو بڑے درجہ کا افسر اس سے بڑھ کر ظالم ہے جس قدر فساد دولت مند اور امراء کے طبقہ میں ہے اتنا فساد معاشرہ کے غرباء میں نہیں۔ تو طبقاتی تفاوت کا خاتمہ اصلاح انسان کی وجہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بعض نے کہا کہ سخت اور شدید ترین قوانین اور تعزیرات ہونے چاہئیں۔ انسان کو مکمل گرفت میں لانا چاہیئے۔ کہ چوری، ڈاکہ، قتل اور بدامنی نہ پھیلا سکے۔

مغربی حکومتوں کا سارا زور قوانین پر ہے۔ حالانکہ یہ بھی علاج نہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے مگر مغربی قوموں نے اسے سرکش گھوڑا بنا لیا ہے۔ جس کو قوانین کی لگام اور شکنجہ ڈال دیا گیا۔ مگر جب تک اندر کی اصلاح نہ ہو قوانین بے کار ہیں۔ امریکہ عاجز آچکا ہے اس کے سارے قوانین بے کار ہو چکے ہیں۔ امریکہ شراب سے تنگ آیا تو ممانعت کا قانون جاری کر دیا۔ اور شراب کو بند کر دیا۔ مگر لوگوں نے قانون سے بچنے کے عجیب و غریب طریقے نکالے کہ حکومت بھی حیران رہ گئی۔ قانون کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ لوگ سائیکل کے ٹائروں ٹیوب میں شراب بھر کر دفتروں میں لانے لگے۔ ایسے ہزاروں طریقے نکالے کہ حکومت کے قانون کی دھجیاں اڑا دیں۔ پہلے اگر دس من شراب بنتی تھی اب وہ سینکڑوں من تک پہنچ گئی۔ قانون سے بچنے کے لئے سینکڑوں راستے میں جہاں رنگین گورا پوچھ اور حکمرانوں کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ہزاروں بھٹیاں قائم ہوئیں بالآخر امریکہ مجبور ہوا اور امتناع خمر کا قانون واپس لے لیا۔ آج امریکہ ہیروئن کے خلاف جنگ کر رہا ہے۔ وہاں کے لوگ اس سے تباہ ہو رہے ہیں۔ ان کے اخلاق و کردار زوال پذیر ہیں۔ وہ ساری دنیا کی منت کر کے کروڑوں اربوں روپے کی لاگت سے پاکستان میں اس کو بند کرانے کی کوشش کر رہا ہے۔ مگر میرا نظریہ یہ ہے کہ اگر اس ہیروئن اور نشہ کی لعنت میں خود ہمارے مسلمان ملوث نہ ہوتے تو ہر ممکن طریقہ سے یہ ہیروئن، چرس و افیون امریکہ پہنچا دینی چاہیئے۔ یہ گویا ایک جہاد ہوتا۔

میں نے ایک مرتبہ یہ بات پارلیمنٹ میں بھی کردی تھی تو سب نے مجھے کہا مولانا! انہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہییں۔ امریکہ کو کون ناراض کرسکتا ہے۔ میں نے ارکان پارلیمنٹ سے کہا، ارے خدا کے بندو! انہوں نے تو کئی صدیوں سے ہمیں تباہ کرکے رکھ دیا ہے۔ ہیروئن کے نشوں سے زیادہ مضرت رساں بدترین تہذیب مغربیت، فحاشی، لادینیت وی سی آر کی لعنت بھیج کر ہماری تہذیب و تمدن کو تباہ کرڈالا ہمیں جسمانی اور ذہنی طور پر غلام بنایا ہم اگر انہیں ٹینک توپ اور میزائل سے تباہ نہیں کرسکتے اس راہ سے تو انہیں ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ اس زہر سے برباد ہوجائیں تو بہتر ہے کہ ساری انسانیت ان کے مظالم سے کراہ رہی ہے اور نالاں ہے۔ ہیروئن کی یہ لعنت وہاں تو پہنچے گی یا نہیں مگر کراچی تک پہنچتے پہنچتے ہمارے سینکڑوں جوانوں کو شکار کرلیتی ہے۔ اب وہ ہزاروں راستے بنارہے ہیں۔ قانون بنارہے ہیں تو قانون جرائم اور گناہ کو ختم نہیں کرسکتا۔ قانون کی حیثیت اپنی جگہ مسلّم، مگر اس سے بڑھ کر اولین اقدام اصلاح معاشرہ کا وہ معاشرہ کا اندرونی اصلاح ہے۔ اسلام اندر کی اصلاح کرتا ہے۔ اب یہ ظاہری قانون ہے ہیروئن لے جانا بند ہے مگر اخبارات میں آپ دیکھتے ہیں کہ چھوٹے بچوں کا پیٹ پھاڑ کر اس ہیروئن سے بھر دیتے ہیں پھر عورتیں اسے سینے سے لگا کر سرحدیں عبور کرتی ہیں۔ یہ ایک مثال ہے ایسی سینکڑوں مثالیں ہیں تو انسان ایک سرکش گھوڑا نہیں کہ لگام سے مقام لیا جائے اور ڈنڈے کے زور سے کام کرے۔

حضرت امام احمد بن حنبل بڑی بڑی اور عظیم آزمائشوں میں مبتلا ہوئے اور بنو عباس کے دور میں ان کو بڑے مصائب، تکالیف اور شدائد کا سامنا ہوا۔ مگر ان کی استقامت پہاڑوں کی طرح مضبوط تھی۔ ان کی پیٹھ سے خون کی دھاریں بہہ رہی تھیں مگر مسئلہ حق میں ان کے پاؤں میں لغزش اور ڈگمگاہٹ نہیں آئی۔

امام احمد بن حنبل کبھی کبھار اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے کہہ دیتے رحم اللہ ابا الہیثم - اللہ پاک ابو الہیثم پر رحم فرمائے لوگوں نے پوچھا کہ یہ ابو الہیثم کون خوش نصیب انسان ہیں کہ آپ اٹھتے بیٹھتے ان کے لئے دعاگو رہتے ہیں۔ فرمایا ابو الہیثم کے ہاتھوں میں ہلاکت و تباہی سے محفوظ رہا۔ ابو الہیثم بنی عباس کے دور کا مشہور اور بدنام ڈاکو تھا۔ امام نے کہا جب حکومت مجھے گرفتار کرکے جیل بھیج رہی تھی اس وقت ابو الہیثم جیل سے نکالا جارہا تھا تو وہ میرے پاس بھاگتا ہوا آیا اور چپکے سے میرے کان میں کہا کہ دیکھو! میں مشہور ڈاکو ابو الہیثم ہوں آپ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آزمائش و ابتلاء میں ہیں اور میں صرف چند ٹکوں اور دنیا کی حقیر اور فانی چیز کیلئے بار ہا جیل میں گیا ہوں کوڑے کھانا اور سزائیں بھگتا ہوں میں بیسیوں مرتبہ جیل جاچکا ہوں مگر جونہی رہائی ملتی ہے پھر اپنے کام ڈاکہ زنی میں مصروف ہوجاتا ہوں تو آپ اللہ کے دین کیلئے جیل جارہے ہیں خبردار آزمائش میں فیل نہ ہوجائیں اور اپنا مشن ترک نہ کردیں۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا مجھے اس وقت استقامت کا سبق اس مقام کے تحصیل و جذبہ کا شوق پیدا ہوا۔ بہرحال یہ عرض کررہا تھا کہ جرائم کو صرف قوانین اور ضوابط سے نہیں روکا جاسکتا اس کیلئے اندر کا انقلاب، ضمیر کی پاکیزگی اور دیانت کا معاشرہ قائم کرنا ہوگا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔